نقد و تحقیق

حضرت مولانا عبدالرحمٰن کیلانی

(قسط ۳)

تطلیقِ ثلاثہ

قاری عبدالحفیظ صاحب ریسرچ اسسٹنٹ ادارہ "منہاج" کے تعاقب کے جواب میں

امام مالکؒ کے ہاں طلاق کی اقسام

امام مالکؒ کے نزدیک طلاق کی تین قسمیں ہیں: (۱) طلاق السنہ (۲) بدعی مکروہ (۳) بدعی حرام۔

۱۔ جس طریق طلاق کو احناف "احسن" کا نام دیتے ہیں، مالکیہ اسی کو "طلاق السنہ" کہتے ہیں۔

۲۔ بدعی مکروہ کی شکلیں یہ ہیں:

(i) ایسے طہر میں طلاق دینا جس میں مباشرت کر چکا ہو۔

(ii) ایک طہر میں ایک سے زیادہ طلاقیں دے۔

(iii) عدت کے اندر الگ الگ طہروں میں تین طلاقیں دی جائیں ___ یعنی وہ طلاق جسے احناف حسن کا نام دیتے ہیں۔

(iv) بیک وقت تین طلاقیں دے ڈالی جائیں۔

۳۔ بدعی حرام یہ ہے کہ حالت حیض میں طلاق دی جائے۔

امام احمد بن حنبلؒ

آپؒ کے ہاں طلاق کا صحیح طریقہ وہی ہے جسے احناف احسن کہتے ہیں اور مالکیہ طلاق السنہ، باقی سب شکلیں بدعت اور حرام ہیں۔ ان کے ہاں بھی تین طہروں میں تین طلاق دینا بدعت اور حرام ہے۔

(تفہیم القرآن ج ۵ ص ۵۵۸)

امام شافعیؒ

(i) تین طہر میں تین طلاق (ii) ایک طہر میں تین طلاق، یا (iii) بیک وقت تین طلاق! ___ آپؒ ان میں سے کسی کو بھی خلافِ سنت نہیں سمجھتے۔ ان کے

ہاں غلط صورتیں یہ ہیں (i) حیض کی حالت میں طلاق دینا اور (ii) ایسے طہر میں طلاق دینا جس میں مباشرت کر چکا ہو۔

قاری صاحب کے نزدیک طلاق کی صورت

عدت وطلاق کے ان احکام و مسائل کی تفصیل کے بعد اب ہم قاری عبدالحفیظ صاحب سے مخاطب ہوتے ہیں، جن کے نزدیک:

(i) قرآن مجید میں "اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ..... فَاِنْ طَلَّقَهَا" سے طلاق کی وہ قسم ثابت ہوتی ہے جس کو احناف کے علاوہ مالکیہ اور حنابلہ بھی بدعی طلاق سمجھتے ہیں۔

(ii) اگر "ف" کی بجائے "ثُمَّ" ہوتا تو طلاق کی وہ قسم ثابت ہوتی جسے احناف تو "حسن" کہتے ہیں اور موالک "بدعی مکروہ"۔

(iii) اور حسن طلاق کا قرآن میں اشارہ تک نہیں ملتا، یہ وہ طریقہ ہے جسے احناف تو "احسن" کہتے ہیں اور باقی ائمہ بھی اسے سنت کے مطابق طلاق سمجھتے ہیں۔

یک بارگی تین طلاق کی کراہت و حرمت کے قرآنی دلائل

اگرچہ یہ بات متنازعہ فیہ نہیں ہے کہ یکبارگی تین طلاق دے دینا بدعت، حرام اور کارِ معصیت ہے ــــ تاہم اس مسئلہ کو کتاب وسنت سے واضح کرنے کی ضرورت اس لیے پیش آتی ہے کہ ہمارے علمائے احناف بجائے اس کے کہ اس کارِ معصیت کی حوصلہ شکنی کریں، یکبارگی تین طلاق کے وقوع کو ثابت کرنے کے شوق میں اس کی بھرپور حوصلہ افزائی فرما رہے ہیں۔ لہٰذا ہم یہاں ایسے دلائل پیش کریں گے جن سے یہ ثابت ہو کہ اگر ایک سے زیادہ طلاقوں کا موقع بن جائے تو بھی طلاقیں متفرق طور پر ہی دینا چاہئیں اور ان کے درمیان وقفہ انتہائی ضروری ہے۔

طلاقوں کے درمیان وقفہ ــــ پہلی دلیل

"اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ" اور اس کے فوراً بعد "فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ" کے الفاظ اس بات کی بیّن دلیل ہیں کہ طلاقیں متفرق طور پر ہوں اور ان کے درمیان وقفہ بھی ضروری ہے۔

مقامِ حیرت ہے کہ علمائے احناف کو جب شوافع کی مخالفت مقصود ہوتی ہے (جو بیک وقت تین طلاق کو سنت کے خلاف نہیں سمجھتے) تو یہ حضرات تین طلاقوں میں وقفہ کو، قرآن کی صراحت کے مطابق ضروری ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر دیتے ہیں اور یکبارگی تین طلاق کو حرام اور کارِ معصیت قرار دیتے ہیں۔ مگر جب ان کے وقوع کا مسئلہ سامنے آتا ہے تو "فاء تعقیب" اور "ثم" کے استعمال کا فرق بتلا کر بیک وقت تین طلاق کی حوصلہ افزائی بھی فرماتے جاتے ہیں۔ بہرحال جن نامور علمائے احناف نے طلاقوں کے درمیان وقفہ کو ضروری قرار دیا ہے، ان میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں :

(۱) ابوبکر جصاص (احکام القرآن ج ۱، ص ۳۸۰) زیرِ آیت "الطلاق مرتٰن" بحوالہ مقالات ص ۱۰۷۔

(۲) زمخشری (تفسیر کشاف زیرِ آیتِ مذکور)

(۳) شیخ محمد تھانوی استاد مولانا اشرف علی تھانوی (حاشیہ نسائی ج ۲ ص ۲۹، بحوالہ مقالات ص ۸۷، ۱۰۸)

(۴) مولانا سندھی (حوالہ ایضاً)

(۵) ابوالبرکات عبداللہ احمد سلفی (مدارک التنزیل ج ۲ ص ۱۷۷) بحوالہ مقالات ص ۸۸۔

(۶) مولانا عبدالحق صاحب (ایضاً)

(۷) مولانا علامہ انور صاحب کاشمیری (فیض الباری، ج ۴ ص ۳۸)

(۸) قاضی ثناء اللہ پانی پتی (تفسیر مظہری زیرِ آیتِ مذکور)

دوسری دلیل : آیتِ مذکورہ کا شانِ نزول

اگر ہم آیت محولہ بالا کے پس منظر یا شانِ نزول پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ دورِ جاہلیت میں طلاق کی تعداد کا کچھ شمار ہی نہ تھا اور ہر طلاق کے بعد مرد کو عدت کے دوران رجوع کا حق حاصل تھا۔ اس طرح مرد حضرات مظلوم عورت کو خاصا پریشان اور تنگ کرتے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعہ مردوں کے حقِ رجوع کو دو تک محدود کر دیا، تاہم بالکل ختم نہیں کیا۔ اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ طلاقوں کے درمیان وقفہ ہو۔

شانِ نزول سے متعلق درج ذیل دو احادیث ملاحظہ فرمائیے :

۱۔ (ترجمہ) "عروہ بن زبیر کہتے ہیں، پہلے یہ دستور تھا کہ مرد اپنی عورت کو طلاق دیتا، جب عدت پوری ہونے لگتی رجعت کر لیتا۔ وہ ایسا ہی کرتا اگرچہ ہزار مرتبہ طلاق

دے۔ ایک شخص نے اپنی عورت کے ساتھ ایسا ہی کیا۔ اس کو طلاق دی، جب عدت گزرنے لگی تو رجعت کر لی۔ پھر طلاق دے دی اور کہا "خدا کی قسم! نہ تو میں تجھے اپنے ہاں جگہ دوں گا اور نہ ہی کسی سے ملنے دوں گا۔" تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ طلاق (رجعی صرف) دو بار ہے۔ پھر یا تو پہلے طہر پر اسے اپنے ہاں رکھو یا پھر اسے اچھے طریقے سے رخصت کر دو۔ اس دن سے لوگوں نے ازسرِ نو طلاق شروع کی۔ جنھوں نے طلاق دی تھی، انھوں نے بھی اور جنھوں نے نہ دی تھی انھوں نے بھی۔"

۲۔ (ترجمہ) "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرد جتنی بھی طلاقیں چاہتا اپنی عورت کو دیئے جاتا اور عدت کے اندر پھر رجوع کر لیتا، اگرچہ وہ مرد سو بار یا اس سے بھی زیادہ طلاقیں دیتا جاتا۔ یہاں تک کہ ایک (انصاری) مرد نے اپنی بیوی سے کہا: "اللہ کی قسم! میں نہ تو تجھے طلاق دوں گا کہ تو مجھ سے جدا ہو سکے اور نہ ہی تجھے بساؤں گا۔" اس عورت نے پوچھا "وہ کیسے"؟ کہنے لگا: "میں تجھے طلاق دوں گا، جب تیری عدت گزرنے کے قریب ہوگی تو رجوع کر لوں گا۔" وہ عورت یہ سن کر حضرت عائشہ رضؓ کے پاس گئی اور اپنا دکھڑا سنایا۔ حضرت عائشہ رضؓ خاموش رہیں تا آنکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ حضرت عائشہ رضؓ نے آپؐ کو یہ ماجرا بتلایا تو آپؐ بھی خاموش رہے، حتیٰ کہ قرآن نازل ہوا: طلاق صرف دو بار ہے۔ پھر یا تو ان مطلقہ عورتوں کو ٹھیک طور پر اپنے پاس رکھو یا پھر اچھی طرح سے رخصت کر دو۔ حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ اس دن سے لوگوں نے نئے سرے سے طلاق شروع کی۔ جس نے طلاق دی تھی اس نے بھی اور جس نے نہ دی تھی اس نے بھی۔"

تیسری دلیل

"وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ۔ الاٰية" (البقرة: ۲۳۲)

"اور جب تم عورتوں کو طلاق دو، پھر وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو انھیں اپنے خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو!"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مطلقہ عورت کی عدت گزرنے کے بعد بھی اپنے

پہلے خاوند سے نئے نکاح کے جواز کی صورت پیش فرمائی ہے۔ اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ تین طلاقیں اکٹھی نہ دی گئی ہوں۔ یعنی تیسری آخری طلاق سے پہلے ایک یا دو رجعی طلاقوں کے بعد، یا پھر اس صورت میں کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک ہی شمار کیا گیا ہو۔

چوتھی دلیل

"وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاۗءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۔ الآیة" (البقرة: ۲۳۱)

"اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور ان کی عدت پوری ہونے لگے تو یا تو انھیں بھلائی کے ساتھ اپنے پاس رکھو یا شائستہ طور پر رخصت کر دو۔"

اس آیت سے بھی یک مجلسی تین طلاق دینا، پھر انھیں تین ہی شمار کر لینا منشائے الٰہی کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔

پانچویں دلیل

"یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاۗءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُیُوْتِهِنَّ وَلَا یَخْرُجْنَ اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ ؕ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ لَا تَدْرِیْ لَعَلَّ اللّٰهَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا" (الطلاق: ۱)

"اے نبی! (مسلمانوں سے کہہ دیجئے) جب تم عورتوں کو طلاق دینے لگو تو ان کی عدت کے لیے طلاق دو۔ اور عدت کا شمار کرتے رہو..... تجھے کیا معلوم شاید اللہ اس کے بعد (بہتری یعنی رجوع کی) سبیل پیدا کر دے۔"

اب دیکھئے اگر عورت کو ایک دفعہ تین طلاق دے کر پھر انھیں تین ہی شمار کر لیا جائے، تو بہتری یا رجوع کا کوئی موقعہ باقی رہ جاتا ہے؟ "لَعَلَّ اللّٰهَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا" کے الفاظ اس بات کے متقاضی ہیں کہ اگر طلاق دی جائے تو رجعی ہی ہونی چاہیے۔ عدت کا شمار بھی اسی لحاظ سے سودمند ثابت ہو سکتا ہے۔

چھٹی دلیل

"فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۔ الآیة!" (الطلاق: ۲)

"پھر جب مطلقہ عورتیں اپنی میعاد (یعنی انقضائے عدت) کو پہنچ جائیں تو انھیں یا تو ٹھیک طرح اپنی زوجیت میں رکھو یا اچھی طرح سے علیحدہ کر دو۔"

مندرجہ بالا تمام آیات سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے طلاق کے بعد مرد کے حق رجوع کو بحال رکھا ہے۔ اور دورِ جاہلیت کے لامحدود حقِ رجوع کو دو بار تک محدود کر دیا ہے۔ کتاب وسنت میں کوئی ایسی نص موجود نہیں جو مرد کے اس حقِ رجوع کو ساقط قرار دیتی ہو۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص غصے میں آ کر یا حماقت کی وجہ سے اکٹھی تین طلاقیں دے بیٹھے تو اولاً یہ حقِ رجوع کہاں باقی رہا؟ ثانیاً یہ دیکھنا ہے کہ تب اس کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟ اس سلسلہ میں ہمیں احادیث سے پوری رہنمائی مل جاتی ہے۔

ایسی احادیث جو ایک مجلس کی تین طلاق کے ایک واقع ہونے پر نصِ قطعی ہیں

۱۔ ابنِ عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رض کے زمانہ میں اور حضرت عمر رض کی خلافت کے ابتدائی دو سالوں تک ایسا تھا کہ جب کوئی یک بارگی تین طلاق دیتا تو وہ ایک ہی شمار کی جاتی تھی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، "لوگوں نے اس کام میں جلدی کرنا شروع کی، جس میں انھیں مہلت ملی تھی۔ سو اس کو اگر ہم نافذ کر دیں تو مناسب ہے"۔ پھر انھوں نے اسے جاری کر دیا (یعنی قانون نافذ کر دیا کہ یکبارگی کی تین طلاق فی الواقعہ تین ہی شمار ہوں گی)۔

۲۔ ابو الصہباء نے حضرت عبداللہ بن عباس رض سے کہا: "کیا آپ جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور حضرت ابوبکر رض کی خلافت میں اور حضرت عمر رض کی امارت میں بھی تین سال تک تین طلاقوں کو ایک بنا دیا جاتا تھا؟" تو حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) نے فرمایا "ہاں!"

۳۔ ابو الصہباء نے حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے کہا، "ایک مسئلہ تو بتائیے۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رض کے زمانہ میں تین طلاقیں ایک ہی شمار نہ ہوتی تھیں؟" حضرت عبداللہ بن عباس رض نے کہا، "ہاں ایسا ہی تھا، پھر جب حضرت عمر رض کا زمانہ آیا اور لوگ اکٹھی طلاقیں دینے لگے تو حضرت عمر رض نے انھیں لوگوں پر نافذ کر دیا"۔

اگرچہ یہ تین الگ الگ احادیث ہیں، مگر مضمون تقریباً ایک ہی جیسا ہے۔ صحیح مسلم کی ان احادیث سے درج ذیل امور کا پتہ چلتا ہے :

۱۔ دورِ نبویؐ، دورِ صدیقیؓ اور دورِ فاروقیؓ کے ابتدائی دو تین سالوں تک بھی لوگ یکبارگی تین طلاق دینے کی بُری عادت میں مبتلا تھے۔ اور یہ عادت دورِ جاہلیت سے متواتر چلی آرہی تھی، جو دورِ نبویؐ میں بھی ختم نہ ہوئی تھی۔ چنانچہ دَورِ نبویؐ میں ایک شخص نے یکبارگی تین طلاقیں دیں تو آپؐ غصّہ کی وجہ سے کھڑے ہو گئے اور فرمایا "میری زندگی میں ہی کتاب اللہ سے یوں کھیلا جارہا ہے ؟"

۲۔ لوگوں کی اس بَدعادت پر انہیں زجر و توبیخ تو کی جاتی تھی، کیونکہ یہ طریقِ طلاق کتاب و سنت کے خلاف تھا۔ تاہم ۱۵ھ تک عملاً یکبارگی تین طلاق کو ایک ہی قرار دیا جاتا تھا۔ اور اس معصیت اور حماقت کے باوجود ان سے حقِ رجوع کو سلب نہیں کیا جاتا تھا۔

۳۔ حضرت عمرؓ کے یہ الفاظ " فلو امضیناہ علیھم"، اس بات پر واضح دلیل ہیں کہ آپؓ کا فیصلہ تعزیر و تادیب کے لیے تھا، تاکہ لوگ اس بری عادت سے باز آجائیں۔ اور اس لحاظ سے کہ آپؓ نے یہ فیصلہ سرکاری اعلان کے ذریعہ نافذ کیا تھا، اس کی نوعیت سیاسی بن جاتی ہے۔ گویا یہ ایک وقتی اور عارضی قسم کا آرڈیننس تھا۔

۴۔ اگر حضرت عمرؓ کے سامنے کوئی شرعی بنیاد موجود ہوتی تو آپؓ یقیناً استنباط کر کے لوگوں کو مطلع فرماتے۔ جیسا کہ عراق کی زمینوں کو قومی تحویل میں لیتے وقت آپؓ نے کیا تھا اور تمام صحابہؓ نے آپؓ کے استنباط کو درست تسلیم کر کے اس سے پورا پورا اتفاق کر لیا تھا۔ چنانچہ اگر آپؓ کسی آیت یا حدیث سے استنباط کر کے لوگوں کو مطلع کر کے یہ فیصلہ نافذ کرتے، تو پھر واقعی اس فیصلہ کی شرعی اور دائمی حیثیت بن سکتی تھی۔

صحیح مسلم کی مندرجہ بالا احادیث کے رجال چونکہ نہایت ثقہ ہیں، اس لیے "تطلیقِ ثلاثہ" کے قائلین ان احادیث کو ضعیف یا مجروح کہنے کی جرأت تو نہ کر سکے ـــــ البتہ ان احادیث کو، اور بالخصوص ابنِ عباسؓ والی پہلی حدیث کو، بے اثر بنانے اور اس کی افادیت کو ختم کرنے کے لیے اپنا ایڑی چوٹی کا زور صرف کر دیتے ہیں اور بہت سے اعتراضات وارد کیے جاتے ہیں، جنہیں جوابات کا نام دیا جاتا ہے۔ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ صحیح مسلم کی ایسی معتبر احادیث کی تاویلات ان حضرات کی طرف سے پیش کی گئی ہیں، جو اپنے موقف کی حمایت

میں ضعیف اور مجروح روایات (بالخصوص ایسی روایات جو تیسرے اور چوتھے درجہ کی کتابوں میں مذکور ہیں) پیش کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔

ان اعتراضات یا جوابات، جن کی تعداد دس تک جا پہنچی ہے، انھیں ہم ذیل میں درج کر کے ان کے جواب بھی لکھیں گے۔ یہ یاد رہے کہ ان اعتراضات یا جوابات میں سے پہلے تین جوابات ہمارے قاری عبدالحفیظ صاحب نے بھی "منہاج" میں پیش فرمائے ہیں۔

۱۔ پہلا اعتراض، یہ حدیث منسوخ ہے

(منہاج ص ۳۰۹)

حیرت ہے کہ حدیث تو منسوخ ہو گئی، مگر اس کا دورِ نبوی میں بھی کسی کو پتہ نہ چل سکا، دورِ صدیقی میں بھی اور دورِ فاروقی کے ابتدائی دو تین سال تک بھی۔ اور حدیث بھی ایسی، جس کا تعلق زندگی کے ایک نہایت اہم گوشہ اور حلت و حرمت سے ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کونسی آیت یا حدیث اس حدیث کی ناسخ ہے؟ یا کیا یہ حدیث حضرت عمرؓ کے فرمان سے منسوخ ہو گئی تھی؟ اور دوسرا سوال یہ ہے کہ حضرت عمرؓ تو خود فرما رہے ہیں کہ لوگوں نے اس معاملہ میں جلدی کی، جس میں ان کے لیے مہلت تھی۔ تو کیا کسی منسوخ حکم میں بھی مہلت ہوا کرتی ہے؟ نیز حدیثِ رسولؐ کے لیے کسی امتی کا قول ناسخ کیونکر ہو سکتا ہے؟

۲۔ دوسرا اعتراض، یہ حکم غیر مدخولہ کا ہے

اس اعتراض کی بنیاد یہ ہے کہ ابوداؤد میں ایک حدیث اس مضمون کی بھی موجود ہے۔ (منہاج ایضاً)

جواب: ابوداؤد میں اس مضمون کی دو روایات ہیں اور دونوں "ابوالصہباء عن ابن عباسؓ" کی سند سے مروی ہیں۔ دوسری حدیث کا مضمون بالکل وہی ہے، جیسا کہ ہم نے صحیح مسلم کی حدیث نمبر دو اوپر درج کی ہے۔ یعنی تین طلاقوں کو ایک شمار کرنے کا حکم ہر طرح کی مطلقہ کے لیے تھا۔ جب کہ ابوداؤد کی پہلی حدیث میں یہ صراحت ہے کہ غیر مدخولہ کی تین طلاقوں کو ایک بنایا جاتا تھا۔

اب دیکھیے تین احادیث صحیح مسلم میں ہیں۔ ایک حدیث نسائی میں، اور ایک ابوداؤد میں ــــ ان پانچ احادیث میں علی الاطلاق یہ ذکر ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک بنا دیا جاتا تھا۔ لیکن ابوداؤد والی حدیث ضعیف ہے۔ امام نووی شارح صحیح مسلم نے اس حدیث کو ضعیف

قرار دیا ہے۔ کیونکہ طاؤس سے روایت کرنے والے مجہول لوگ ہیں (نووی شرح مسلم ص ۴۷۸) تاہم اگر اسے صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو ایک عام حکم کو خاص کے تحت کیسے لایا جا سکتا ہے؟

۳۔ تیسرا اعتراض اس حدیث میں کوئی حکم نہیں۔ بلکہ یہ محض اطلاع اور خبر ہے

اور وہ اطلاع یا خبر یہ ہے کہ دورِ فاروقی تک لوگ صرف ایک ہی طلاق پہ اکتفا کرتے تھے اور اکٹھی تین طلاقیں دینے سے پرہیز کیا کرتے تھے۔ (منہاج ص ایضاً)

یعنی ؎ جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی

یہ اعتراض، تاویل یا جواب' دراصل تاویل و تعبیر نہیں بلکہ صحیح معنوں میں تحریف ہے، جس میں حقیقت کو یکسر الٹا کر یہ توجیہ پیش کی گئی ہے۔ حدیث کے مطابق تو واقعہ یہ ہے، ابو الصہباء حضرت ابنِ عباسؓ سے پوچھتے ہیں کہ "آپ کو معلوم ہے کہ دورِ نبوی، صدیقی اور فاروقی کے ابتدائی دو سالوں تک ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک بنا دیا جاتا تھا؟ تو اس سوال کا جواب حضرت عبداللہ بن عباسؓ اثبات میں دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ "ہاں میں جانتا ہوں" اب سوال یہ ہے کہ اگر تین طلاقیں دی ہی نہیں جاتی تھیں تو ایک کس چیز کو بنایا جاتا تھا؟

قاری صاحب محترم کے پیش کردہ تین جوابات ختم ہوئے۔ اب مزید "جوابات" کی تفصیل دیکھیے:

۴۔ چوتھا اعتراض تین طلاق کہنے سے مراد محض ایک کی تاکید تھی

کہا جاتا ہے یہ حدیث الفاظ کی تکرار کے سلسلہ میں ہے۔ جیسے کوئی یوں کہے: "اَنْتِ طَلِقٌ، اَنْتِ طَلِقٌ، اَنْتِ طَلِقٌ" تو صدرِ اول میں دلوں کی سلامتی کے باعث لوگوں کا یہ عذر قبول کر لیا جاتا تھا کہ ان کا ارادہ تو حقیقتاً صرف ایک طلاق کا تھا، تین بار الفاظ محض تاکید کے لیے کہے گئے تھے۔ مگر بعد کے دور میں فریب دہی زیادہ ہو گئی، جس کے باعث تاکید کا دعویٰ قبول کرنا ممکن نہ رہا۔ لہٰذا حضرت عمرؓ نے ظاہری الفاظ اور تکرار کو ہی اصل بنیاد قرار دے کر تین طلاقوں کو نافذ کر دیا۔" (فتح الباری ج ۹)

قاری صاحب موصوف نے بھی اس "جواب" کو رسالہ مذکور کے ص ۳۰،۷ پر ایک دوسرے

عنوان کے تحت پیش کیا ہے اور مولانا مودودی بھی اس تاویل کو پسند فرماتے ہیں۔ (تفہیم القرآن ایضاً)

یہ جواب اس لیے غلط ہے کہ شرعی فیصلے تو ہمیشہ ظاہر پر ہی ہوا کرتے ہیں۔ دورِ نبوی ؐ میں یہی دستور تھا، خلفائے راشدینؓ کے دور میں بھی یہی دستور تھا اور آج کی عدالتوں میں بھی یہی دستور ہے۔ (باطن یا نیت کے مطابق فیصلے کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے، بندوں کا نہیں) اگر حضرت عمرؓ نے ظاہر پر فیصلہ کا مدار رکھا تو یہ اصولاً کوئی نیا کام نہیں تھا۔ حالانکہ وہ خود اعتراف فرما رہے ہیں کہ انھوں نے کچھ نیا کام کیا تھا جو دورِ نبویؐ اور صدیقی کے تعامل کے برعکس تھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ تین طلاقوں کو ایک بنانے کا حکم مستقل قائم بالذات تھا۔ بالعموم ایسے معاملات میں لوگوں کی نیتوں کو ٹٹولا نہیں جاتا تھا۔

۵۔ پانچواں اعتراض یہ حدیث غیر مشہور ہے

کہا جاتا ہے: "معاملہ اس قدر اہم ہو اور روایت صرف اکیلے ابنِ عباسؓ ہی کریں، یہ بات باعثِ تعجب ہے"

یہ اعتراض ابنِ رشد قرطبی نے اٹھایا پھر خود ہی یہ کہہ کر اس کی تردید کردی کہ محض اس وجہ سے کسی حکم کو جھٹلایا نہیں جاسکتا۔

امام محمد بن اسماعیل یمنی صنعانی شارح بلوغ المرام نے اپنی تالیف سبل السلام (ج ۲ ص ۱۴۷) پر اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے، کہ "کتنے ہی ایسے مسائل ہیں جو صرف ایک راوی کی روایت ہونے کے باوجود قبول کرلیے گئے ــــــ تو پھر ابنِ عباسؓ کی روایت کو، جو حبر الامتہ ہیں، کیوں قبول نہیں کیا جاسکتا؟"

۶۔ چھٹا اعتراض حدیث موقوف ہے

کہا جاتا ہے: "اس حدیث میں کہیں یہ تصریح نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس بات کا علم تھا کہ مسلمان لوگ تین طلاقوں کو ایک بنا رہے ہیں۔ دلیل تو تب بن سکتی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا علم ہوتا اور آپؐ اسے نہ روکتے"

اس اعتراض کا جواب حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ نے یہ دیا ہے کہ "صحابی جب یہ کہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسا کرتے تھے تو یہ مرفوع کا حکم رکھتا ہے۔ اور ایسے معاملات کو اس بات پر محمول سمجھا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے معاملات کا، خواہ یہ چھوٹے ہوں یا بڑے، علم ہوتا تھا اور آپؐ نے انہیں برقرار رکھا"

علاوہ ازیں معترضین کے اعتراض کی رو سے صورتِ حال یوں بنتی ہے کہ دورِ نبوی میں مسلمان ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک بنا کر اسے رجعی قرار دے لیا کرتے تھے۔ حالانکہ حقیقتاً وہ تین ہی پڑ جاتی تھیں اور عورت فی الواقعہ طلاق دینے والے پر حرام ہو جاتی تھی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں یہ بات نہ آئی تھی نہ لائی گئی تھی۔ اس طرح آپؐ کی زندگی ہی میں نعوذ باللہ زنا ہوتا رہا اور اللہ تعالیٰ بھی خاموش دیکھتا رہا اور اس کا رسولؐ بھی؟

۷۔ ساتواں اعتراض۔ راوی کا فتویٰ روایت کے خلاف ہے

کہا جاتا ہے: صحابہ کرامؓ کا عمل اور فتویٰ اس کے خلاف ہے۔ خصوصاً حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بھی، جو اس حدیث کے راوی ہیں۔

اس اعتراض کے دو جواب ہیں:

(i) اصولِ فقہ کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ:

"اِنَّ الْاِعْتِبَارَ لِرِوَایَةِ الرَّاوِیْ لَا بِرَأْیِہٖ" یعنی "راوی کی روایت کا اعتبار کیا جائے گا، نہ کہ اس کی رائے کا" اور اس قاعدہ کی بنیاد یہ ہے کہ "فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ"!

(ii) تمام صحابہؓ کا عمل اس حدیث کے خلاف نہیں۔ بعض صحابہؓ ایک مجلس کی تین طلاقوں کے ایک ہی واقع ہونے کے قائل رہے۔ بعض صحابہؓ حالات کا لحاظ رکھ کر دونوں طرح کے فتوے دیا کرتے تھے اور حضرت ابن عباسؓ انہی میں سے تھے (تفصیل آگے آ رہی ہے) آپؓ کا فتویٰ جو ابوداؤد میں مذکور ہے، وہ یہی ہے کہ آپؓ یکبارگی تین طلاق کو ایک ہی تصور فرماتے تھے۔ فتویٰ کی عبارت یوں ہے:

"اِذْ قَالَ اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا بِفَمٍ وَاحِدٍ فَھِیَ وَاحِدَۃٌ"

"جب کسی نے (اپنی بیوی سے) ایک ہی وقت میں تین طلاق کہا، تو یہ ایک ہی ہو گی" (ابوداؤد، کتاب الطلاق)

(جاری ہے)